اور اللہ غالب و حکیم ہے۔ ۱۹

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو تم پاؤ گے۔ پس یہ اس نے تم کو فوری طور پر دے دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے کہ یہ موجب طمانیت اور مسلمانوں کے لیے نشانی ہو اور تمہیں سیدھی راہ کی ہدایت بخشے۔ اور ایک دوسری فتح بھی ہے جس پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو لیکن اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲۰-۲۱

۶- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (۸-۹)

نبی صلعم کے مرتبہ و مقام کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے تم کو لوگوں کی طرف اپنے دین کی گواہی دینے والا اور مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ 'گواہی دینے والا' یعنی اپنے دین کی گواہی دینے والا کہ ہم اپنے بندوں کو کس چیز کا حکم دیتے اور کس بات سے روکتے ہیں۔ ساتھ ہی اس لیے بھی بھیجا ہے کہ ان لوگوں کو جنت کی بشارت دو جو تمہاری گواہی قبول کر کے اپنی زندگیاں سنوار لیں اور ان لوگوں کو دوزخ کے عذاب سے ڈراؤ جو تمہاری گواہی کو رد کر دیں یا اس کو وہ اہمیت نہ دیں جس کی یہ سزاوار ہے۔ یہ بات اگرچہ ایک عام کلیہ کی حیثیت سے ارشاد ہوئی ہے لیکن کلام کے تدریجی ارتقاء سے یہ حقیقت آپ سے آپ واضح ہو جائے گی کہ روئے سخن منافقین کی طرف ہے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا زبان سے اقرار تو کر لیا تھا لیکن اس اقرار کے تقضمنات سے وہ گریز اختیار کرنے کی راہیں ڈھونڈھتے رہتے تھے۔

شاہد کا مفہوم

'شَاهِدً' کے معنی ہیں 'گواہی دینے والا'، یعنی لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کی گواہی دینے والا۔ عام طور پر لوگوں نے اس سے وہ گواہی مراد لی ہے جو آپ آخرت میں دیں گے لیکن ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے۔ آخرت میں حضرات انبیاء علیہم السلام جو گواہی دیں گے وہ اسی بنا پر تو دیں گے کہ انھوں نے اس دنیا میں لوگوں پر اللہ کے دین کی گواہی دی ہے۔ اس گواہی پر الاحزاب کی آیات ۴۵-۴۶ کے تحت ہم بحث کر آئے ہیں۔ تفصیل مطلوب ہو تو اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ حضرات انبیاء

جو گواہی آخرت میں دیں گے۔ المآئدۃ کی تفسیر میں اس پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔

رسول اللہ صلعم کی بعثت کا مقصد اور امت پر آپ کا حق

لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ یہ مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے اپنے رسول کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر اس مقصد سے بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، رسول کی مدد اور اس کی توقیر کرو اور اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو۔ ایمان سے مراد ظاہر ہے کہ سچا اور پکا ایمان ہے اللہ پر بھی اور اس کے رسول پر بھی۔ اس کے بعد صعودی ترتیب سے یعنی نیچے سے اوپر کو چڑھتے ہوئے اس ایمان کے وہ تقاضے بیان ہوئے جو بالکل بدیہی ہیں۔ رسول پر ایمان کا یہ تقاضا بیان فرمایا کہ اللہ کے دین کی اقامت کے لیے جو جدوجہد وہ کر رہے ہیں اس میں ان کے دست و بازو بنو اور ان کی توقیر و تعظیم اللہ کے رسول کی حیثیت سے کرو۔ پھر اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ بیان فرمایا کہ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

مفسرین کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

عام طور پر لوگوں نے 'تُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ' کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانا ہے۔ ان کے خیال میں اگر ضمیر مفعول کا مرجع رسول مانا جائے تو اس سے بُعد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ یہاں ترتیب، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، صعودی ہے، اس وجہ سے بُعد نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ و رسول پر ایمان کے مطالبہ کے بعد پہلے رسول کا حق اس نے بیان فرمایا کہ رسول کا ذکر ترتیب میں مؤخر تھا اس وجہ سے اس کے ذکر سے متصل ہی اس کا حق بیان فرما دیا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حق بیان فرمایا۔ یہ ترتیب بیان قرآن میں جگہ جگہ اختیار فرمائی گئی ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ اگر 'تُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ' کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مانا جائے تو اس سے کلام میں بعض خرابیاں پیدا ہو جائیں گی جن سے کلام کو پاک ہونا چاہیے۔ مثلاً

ایک یہ کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کے بیان کے سیاق و سباق میں ہے اس میں غایت بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس مقصد سے شاہد اور مبشر و نذیر بنا کر بھیجا لیکن یہ تاویل اختیار کر لی جائے تو آیت آپ کے حقوق کے ذکر سے خالی رہ جاتی اور سیاق و سباق سے کٹ جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ یہاں روئے سخن اصلاً منافقین کی طرف ہے جن کی اصلی کمزوری یہ تھی کہ وہ، ایمان کے مدعی ہونے کے باوجود، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، جہاد میں آپ کی نصرت اور آپ کی صحیح تعظیم و توقیر (جس کی وضاحت اگلی سورہ میں آئے گی) سے عاری تھے۔ یہ صورتِ حال مقتضی تھی کہ ان کو رسول پر ایمان کے یہ بدیہی تقاضے بتائے جائیں۔ اگر 'تُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ' کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مانا جائے تو آیت اپنے موقع و محل سے بے تعلق ہو جائے گی۔

تیسری یہ کہ 'تعزیر' اور 'توقیر' کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے موزوں نہیں ہیں، یہ اپنے مواقع استعمال کے لحاظ سے رسول ہی کے لیے موزوں ہیں۔ 'تُوَقِّرُوْهُ' کا لفظ تو اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل ہی ناموزوں ہے۔ 'تُعَزِّرُوْهُ' بھی کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں استعمال ہوا ہے۔ جہاں بھی استعمال ہوا ہے رسولوں ہی کے لیے ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو المائدۃ: ۱۲ اور الاعراف: ۱۵۷۔ الفاظ کی موزونیت پر ہم نے سورۂ محمد کی آیت ۲۵ کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ قرآن میں بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن میں مختلف افعال استعمال ہوئے ہیں اور صرف فعل سے یہ متعین ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی فعل کا فاعل یا مفعول کون ہے۔ اس چیز کا تعلق زبان کے ذوق سے ہے۔ اگر اس کا پورا لحاظ نہ رکھا جائے تو اس سے آیات کی تاویل میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (۱۰)

رسول کے ہاتھ پر بیعت کی ذمہ داریاں

یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید تائید ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ تمہارے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کرتے ہیں انھیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وہ تم سے بیعت نہیں کرتے بلکہ درحقیقت وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ بیعت کے وقت ان کے ہاتھوں کے اوپر جو ہاتھ ہوتا ہے وہ تمہارا نہیں بلکہ اللہ کا ہوتا ہے۔ اگر وہ یہ بیعت کر کے ان کی ذمہ داریوں سے گریز اختیار کریں گے اور اپنے عمل سے اس عہد کو توڑیں گے جس کو اپنے قول سے انھوں نے باندھا ہے تو یاد رکھیں کہ اس کا وبال انہی کے اوپر آئے گا اس لیے کہ اس معاہدے میں اصل فریق اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے ساتھ بدعہدی کرنے والا خود ہی خسارے میں پڑتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ جو شخص وہ ذمہ داری پوری کرے گا جس کے اٹھانے کا اس نے عہد کیا ہے وہ ہرگز خسارے میں نہیں رہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ اس کا بہت بڑا اجر پائے گا۔

عام طور پر لوگوں نے اس آیت کو بیعتِ رضوان سے متعلق سمجھا ہے حالانکہ اس کو بیعت رضوان سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ بیعتِ رضوان کا ذکر آگے آیت ۱۸ میں آئے گا۔ یہ سمع و طاعت کی اس عام بیعت کا ذکر ہے جو ہر ایمان لانے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کرتا تھا۔ یہاں اس کی عظمت و اہمیت اور اس کی ذمہ داریاں منافقین کو غیرت دلانے کے لیے بیان کی گئی ہیں کہ وہ رسول کے ہاتھ پر بیعت تو کر بیٹھے لیکن جب اس کے مطالبات پورے کرنے کا وقت آیا تو منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ ان پر یہ حقیقت واضح فرمائی گئی ہے کہ رسول کے ہاتھ پر بیعت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے معاہدہ ہے۔ اگر کوئی اس بیعت کی ذمہ داریوں سے گریز اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑتا ہے۔